بادبان

اور

دوسری نظمیں

کمال احمد صدیقی

حلقۂ ارباب ذوق لکھنؤ

ملنے کے پتے

(۱) حلقۂ اربابِ ذوق، لال باغ، لکھنؤ

(۲) "ہمارا ادارہ" لکھنؤ

(۳) مکتبۂ ساقی، کراچی ۵

(۴) کتابی دُنیا، لکھنؤ

تعداد اشاعت ۱۰۰۰ قیمت عہ

مطبوعہ الواعظ صفدر پریس لکھنؤ
پرنٹر و پبلشر کمال صدیقی
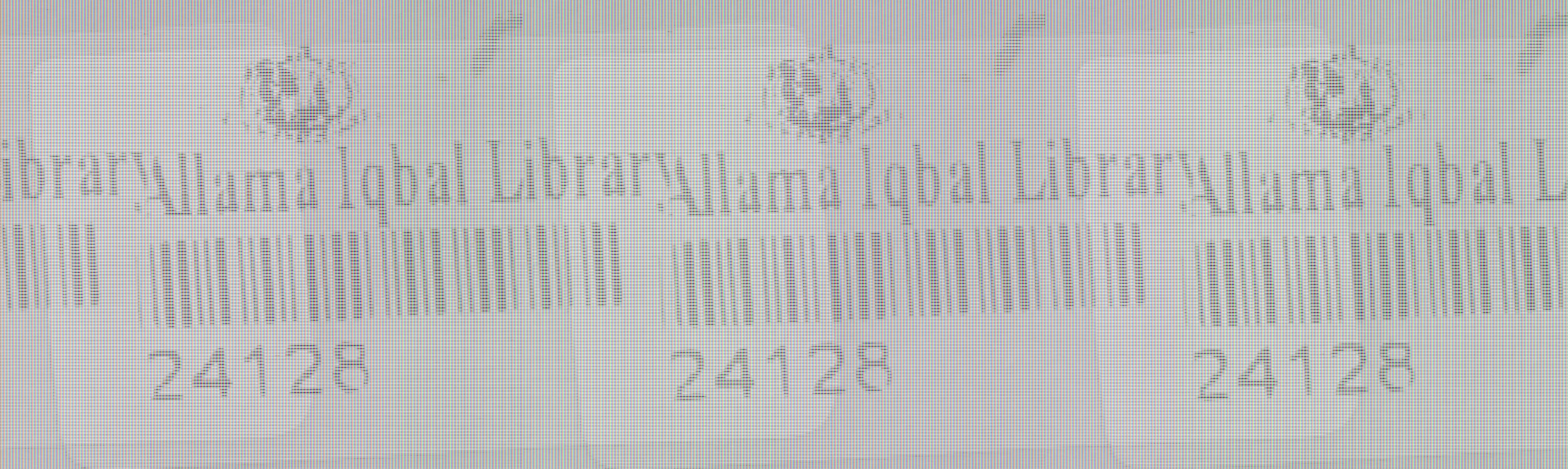
بادبان

سمندروں کی نیلگوں فضائے آب میں بھی رقص
کرچکا ہوں بارہا!
مرے لئے کوئی اُفق ---- یہ آسماں کی وسعتیں بھی اجنبی
نہیں
میں ان میں سیکڑوں ہزاروں زندگی کے گیت آتشیں

دھنوں میں گا چکا!
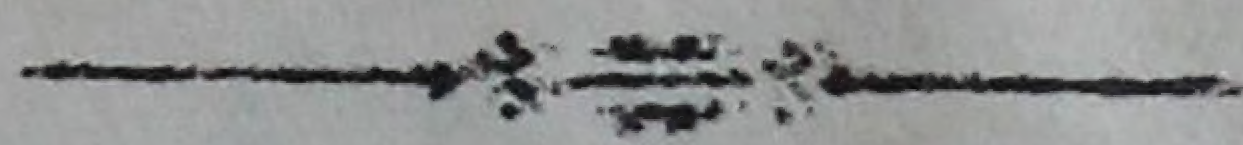
کسی کو ڈھونڈھ ہی رہا تھا — کون جانے کس کو ڈھونڈھتا

تھا میں۔؟

ہزار بار ڈھونڈھتا رہا ہوں جس کو موسموں کے مدّوجزر میں

مگر نہ پا سکا ہوں؟

ستارے ڈوبنے لگے اور آندھیوں کی شدّتیں حباب

بن کے رہ گئیں۔!

کسی کو ڈھونڈھ ہی رہا تھا میں سحر کی نرم نرم، شبنمیں

فضاؤں میں

کہ آپ آ گئیں، اور آ کے چھا گئیں سمندر اور آسمان
کی بے کراں خلاؤں میں
ہزاروں داستانیں بحرِ نیلگوں کی چشمِ نازنیں لیے ہوئے،
ہزاروں مہر و ماہ کی تجلیوں کا جسم آئینہ بنا ہوا۔۔۔!!

میں سوچ ہی رہا تھا لہریں نبضِ کائنات تو نہیں
کہ ایک لہر اٹھی جس کی برہمی کے سامنے مری تمام قوتیں
حباب بن کے رہ گئیں!
کنارِ آب ایک پل میں دیکھتے ہی دیکھتے میں مَر پڑا ہوا
تھا ریت پر

مرے بدن کی ریت کا ہر ایک ذرہ ایک آئینہ تھا، اور جانے

کتنے آفتاب جگمگا رہے تھے میرے جسم پر!

یہ میرا جسم خاک و خوں کا امتزاج ہی سہی،

ہزار میں گناہ گار ہوں تو کیا،

یہ زلزلے، یہ آندھیاں، یہ برق و آتش و شرر مرے مزاج ہی سہی،

مگر سکون پا کے جب بھی شادماں ہوا ہوں، گنگنا اٹھا ہوں، مسکرا

دیا ہوں میں

مرے اس آہنی محل کے آستاں پہ آسماں کی جنتیں بھی سجدہ ریز

ہو گئیں!!

—— مگر بہت ہی دور آچکے ہیں ساحلوں کو چھوڑ کر!

اگر نہیں ہیں ناریل کے سائے سطحِ آب پر تو کیا ہوا؟

ہوائیں تیز ہیں تو کیا؟ یہ لہریں شعلہ ریز ہیں تو کیا؟ اٹھاؤ

لنگر اور بادبان کھول دو

میں جانتا ہوں، خوب جانتا ہوں، ایک کائنات اور بھی ہے

ماورائے کائنات!

برس رہا ہے امرت آسماں سے چاندنی کے روپ میں،

زمیں، زمیں کی کائنات کے لیے نمو ہے دھوپ میں،

مگر یہ برگ، یہ ثمر، یہ گلستاں بغیر رنگ کے تو کچھ نہیں!!

ستارے ڈوبنے لگے تو کیا؟ — یہ لہریں شعلہ ریز ہیں تو کیا

اٹھو — اور اُٹھ کے کشتیوں کے بادبان کھول دو

یہ کون کہتا ہے کہ لہروں کا خدا کوئی نہیں؟

یہ لہریں خوب جانتی ہیں ساحلوں کا راستہ — !!!

(ساقی)

سنہ ۳۶ء — منتخب نظمیں

"وہ محل —— وہ پائیں باغ"

وہ محل، وہ پائیں باغ!

کتنے رنگوں کا لطیف اک امتزاج؟

ختم ہے آرائشوں پر اہتمام!

نور کا سرچشمہ اجسامِ جواں کی دل رُبائی کی چراغ،

اور مسرّت جن کی ادنیٰ سی شعاع

ڈھونڈھتی پھرتی ہے جس کو زندگی

کوچہ و بازار کی تاریکیوں میں صبح و شام ——!!

نغمہ و نَے، رقص کی پرچھائیاں، ہنگامۂ مینا و جام ——

کتنے گم کردہ ہیں ان رنگیں فضاؤں کے مزاج؟

—— وہ محل، وہ پائیں باغ،

جن میں ہر شب ہی شبِ ماہِ تمام! ——

ذہن کی اک اختراع؟

کچھ سہی، ——

ان نفس گاہوں سے بڑھ کر روشن و تابندہ ہیں ——!!

میں تھکا ہارا، پریشاں حال، کمزور ونحیف وناتواں!

کارواں سالار لیکن منزلیں پامال کرتا جا رہا ہے۔ اور ٹھہرتا ہی نہیں!!

کسقدر منحوس ہے تپتی ہوئی یہ شاہراہ؟

جو مسافر اس سے گذرا، جیتے جی منزل نہ مل پائی اُسے!

—— اک ذرا شہ راہ سے ہٹ کر ہیں وہ پگڈنڈیاں،

لہلاتے سبز کھیتوں میں سُبک اور صندلی انگڑائیاں،

سیمیں لہریں جس طرح بحرِ زمرّد میں اٹھیں، اٹھ کر مجسّم ہو گئیں!
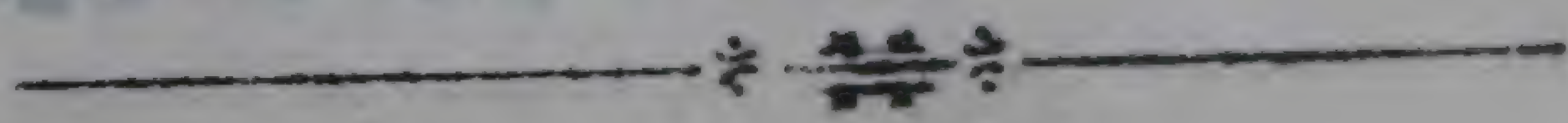
بالیوں کے ریشمیں پردوں ہی میں روپوش ہیں گیہوں کی کم سن

نوجواں رعنائیاں!

کر رہی ہے جن سے ہر موج ہوا اٹھکیلیاں،
ہو رہی ہیں جانے کیا سرگوشیاں؟ ——
اور کھیتوں سے پرے ——
وہ ندی کی سیڑھیاں!
کتنی رادھاؤں کا جھرمٹ ہے وہاں؟ ——

آم کے باغات، امرودوں کے جھنڈ
میری قسمت میں کہاں؟

یہ دھواں ——

شعلے اور چنگاریاں!

یہ گرج، آپس میں ٹکراتے ہوں جیسے دو پہاڑ،

ان سے اب عاجز ہیں احساس و نظر ——!!

کسقدر ہموار ہے یوں دیکھنے میں شاہراہ؟

کھا رہا ہوں ٹھوکروں پہ ٹھوکریں!

راستہ میں جب کوئی منزل ملی

کارواں سالار چیخ اٹھا کہ اک منزل ہے آگے اور ابھی!!
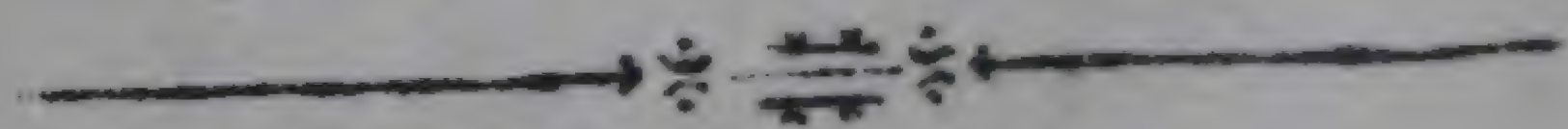
آج بھی بکھرے پڑے ہیں کتنے نظارے کہاں ——

ایسے نظّارے، جو دے سکتے ہیں نظروں کو پناہ!

ہائے لیکن وہ محل ــــ وہ پائیں باغ ــــ

اب تو ہے ان کا تخیّل بھی فرار ــــ !!!

(ساقی)

مجاز کے نام!

"ساغرِ واژگوں"

یہ چہرے جو دیکھے نہیں خواب میں بھی کبھی ــــ ان کو پہچانتا ہوں
میں سب کے لیے اجنبی، سب مرے واسطے اجنبی ــ سب کو میں جانتا ہوں!

یہ نظریں! ــــ کہ کہتی ہیں افکار و آلام سے کوئی رشتہ نہیں ہے

یہ لمحے! ـــــ یہ احساسِ رومانِ ہستی

یہ مستی!

یہ رفعت! ـــــ یہ اوجِ مئے ناب، جس کے لیے ہو تباہی بلندی نہ پستی

یہ ماحولِ زرّیں! ـــــ کہ کاغذ کے پھولوں میں ہے وہ سنہری چمک، وہ

روپہلی کشش، تتلیوں کے گرانبار رنگوں

کی قیمت ہے سستی!!

ـــــ یہ نظریں، یہ لمحے، یہ رفعت، یہ ماحولِ زرّیں، یہ مستی!،

یہ پردے وہی حسرتیں چاہتے ہیں چھپانا جو میرے تبسّم میں دم توڑتی ہیں،

کہ جس طرح لہریں خود اپنے تلاطم میں دم توڑتی ہیں۔۔!!

وہ گلرنگ شامیں — جو بھرتی ہیں رنگ اب بھی جھلسے ہوئے دن کی بیزاریوں میں

وہ گلبار صبحیں — کہ جن سے فروزاں ہیں بے خواب راتیں

وہ یادیں — کہ میری نگاہیں ہر اک رات جن کے لیے ماہ و انجم میں

دم توڑتی ہیں!

مگر زندگی؟ — زندگی کے لیے زندگی رقص و نغمہ کے رنگیں اشاروں پہ

قربان کرنا تو مشکل نہیں ہے

بہکنا — مئے ناب میں غرق ہو کر اسی ساحلِ گم شدہ پر ابھرنا تو

مشکل نہیں ہے،

مئے ناب کی ہے ہر اک موج طوفاں بداماں، مگر ساحلِ گم شدہ کے

وہ ساحل، وہ ساحل کے رنگیں نظارے

جنھیں دیکھنے کو مسافر کی ہر اک نظر ڈوبتے ڈوبتے بھی بھنور بن کے

منجدھار میں گھومتی ہے!

—— وہ زہرہ، وہ انجم، وہ پروین ——

چمکتے ہیں ساحل پہ کتنے ستارے؟

وہ نرگس، وہ نسرین ——

نہ جانے ہیں کتنی ہی نوخیز کلیاں کہ جن کے تبسم کئے جا رہے ہیں

اشارے!

ہزاروں ہی کلیاں، ہزاروں ستارے —— کہ ہے ڈوبتے وقت

بھی ذہن حیراں کہ کس کو پکارے!؟

صفِ جام و مینا سے ہوتا ہوا، رقص کرتا یہ کون آ رہا ہے؟

وہی یاسمیں ہے!

وہی جو کبھی زندگی ہے، کبھی زندگی کی تمنّا، کبھی زندگی کا تقاضہ

وہی مہ جبیں ہے!؟

—— فرازِ تخیّل تو کیا، جو کبھی دل کی گہرائیوں میں بھی خاموش رہتی

نہیں ہے!

اسی زہرآگیں تصوّر کی سوگند لیکن جو اس جامِ رنگیں سے ٹکرا رہا ہے

حقیقت تو رنگین پردہ دل میں رُوپوش رہتی نہیں ہے،

حقیقت متاعِ فریبِ تخیّل نہیں ہے!

۔۔۔یہی یاسمیں، جو چلی آ رہی ہے، مرے جام کا ایک عکسِ حسیں ہے!

۔۔۔اسی عکس سے کھیلتے کھیلتے میں نے سوچا ہے اکثر کہ دنیا ہے پرتو

اسی ساغرِ داژگوں کا

کہ جس میں وہ ساحر خود اپنا تخیّل فنا کر رہا ہے!

یہ دنیا ہے عالم اسی کے جنوں کا

جو میری طرح اپنے زخموں میں خود بجلیاں بھر رہا ہے!

وہ رنگوں کا ساحر خدا ہے؟۔۔۔ تو میں بھی ہوں فن کار، میں بھی

خدا ہوں!!

کبھی اس کی تنہائیوں پر ترس آتا ہے ـــــ اور کبھی سوچتا ہوں

کہ اپنا چھلکتا ہوا جام ایسے اچھالوں کہ وہ ساغرِ واژگوں ٹوٹ جائے،

تخیل کا رنگیں فسوں ٹوٹ جائے ــــــ!!!

"رات ناچنے لگی"

یہ آتشیں ہوائیں بھی شگفتگی کو جذب کر کے آئی ہیں

مہیب و تیرہ قید خانہ کے سیاہ در کلی کی طرح کھِل گئے

مناظرِ حیات آفرین و حُسن خیز،

مناظرِ سحر فروز،

جو مدتیں ہوئیں بچھڑ گئے تھے ـــ پھر نظر کو مِل گئے!

ہوائیں گنگنا اٹھیں

فضائیں جگمگا اٹھیں

زمین و آسماں کی کائنات ناچنے لگی

حیات ناچنے لگی

حصارِ نورِ ماہتاب و کہکشاں میں رات ناچنے لگی!

فروغِ کامرانیٔ نظر کی شہ جو پائی تو خیال بھی نشاطِ رنگ سے

اشارے مانگنے لگے

فرازِ آسمانِ زندگی سے چاند مانگنے لگے، ستارے مانگنے لگے
قدم حدودِ سنگ وخشت و آہن و سلاسلِ قیود سے بہارے
مانگنے لگے!
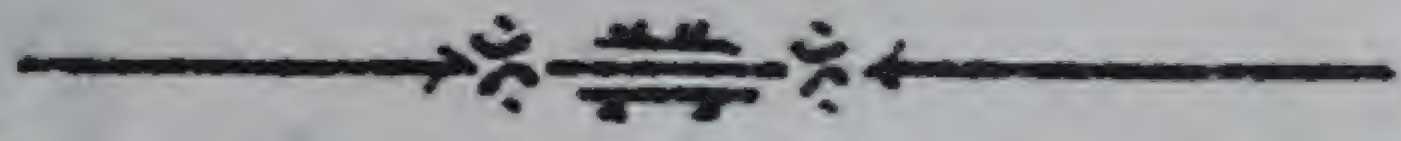
میں سوتے سوتے جاگ اٹھا،
کوئی جگانے آیا تھا
کوئی جگانے آئے گا
سحر تو ہونے دو ذرا ـــــ!؟

(نیا دور)

"پرچھائیں"

زفیضِ ہنگامِ تشنہ کامی و کس مپرسی سوائے نانِ شبینہ کے اور کوئی
تمنّا بھی کی ہے میں نے؟
غم و خوشی کے ہزار لمحے خود اپنی سانسوں کے آسرے پر گذار ڈالے،
اگر کبھی فرصتِ تخیل سکوں نے بخشی تو خواب دیکھے،

مگر میں جب چونک کر اُٹھا ہوں تو اپنی کم مائیگی کی سوگند خود کو دھوکہ

نہیں دیا ہے!

فریب تخئیلِ بیکراں کو فریب سمجھا، حسین خوابوں کو خواب جانا

مگر گوارا کیا ہے میں نے

مسرّت انگیز بیخودی کے سکون کو بھی فراغتِ اضطراب جانا

مگر گوارا کیا ہے میں نے

بہت ہی مجبور ہو گیا ہوں تو زندگی کو بھی اشارہ کیا ہے میں نے

مگر وہی زندگی کہ جس کا تصورِ جنت و جہنّم سے کوئی ربطِ جنوں

نہیں ہے!!

وہ بے ارادہ سہی، مگر میں شباب کی دھڑکنوں کو اکثر پکار لیتا ہوں

نام لے کر!

اگر کبھی فرصتِ تخیّل سکوں نے بخشی تو خواب دیکھے

"وہ غنچۂ نوشگفتہ گلشن، کہ ذرّہ ذرّہ لیئے ہوئے قطرہ ہائے شبنم کے

آئینے عکس اپنے دل پر اُتارتا ہے!

"وہ اک ترنّم کہ بھیرویں میں کنول کی پریاں خنک ہواؤں پہ، نرم لہروں

پہ چھیڑتی ہیں ——!

"وہ اک تبسم کہ جس کی دوشیزگی جاوید کو نشاطِ چشمِ غزال و رنگِ شبابِ

مستئ روئے خوباں سنوارتے ہیں!

"وہ ایک ساغر کہ جس سے تسنیم کی لطافت چھلک رہی ہے

وہ کہکشاں جس پہ کاروانِ فضائے تخئیل رقص کرتا گذر رہا ہے !!
جوانِ مرگ آرزوئیں معصومیت و تقدیس کے کفن سے نکل کے ـــــــ
اپنی برہنگی کی شگفتگی میں فریبِ تسکیں ہزار بار کھا چکی ہیں
حیات کی ایک ایک تلخی خود اپنے بہروپ کے سرابوں میں پیاس
اپنی بجھا چکی ہے !!

تصرّفِ زندگی کے عرصہ میں فرصتِ چشم و لب کہاں ہے؟
میں خود بھی اپنی شکستہ پا حسرتوں سے نا آشنا رہا ہوں ـــــــ !!!

(نیا دور)

"واپسی"

یہ جھاڑیاں ـــــ برہنہ جھاڑیاں، کہ جن میں کلیاں، کونپلیں، نہ پتیاں

نہ پھول ہیں؛

سِسک رہی ہے ان پہ سرد چاندنی تپاک و انہماک سے!

یہ انہماک بھی عجیب ہے

کہ جیسے کوئی روتے روتے وجہِ گریہ بھول جائے !!

زمیں پر پڑی ہوئی خزاں رسیدہ پتّیاں کسی حسین عہد کے خیال میں

کچھ اس طرح سے کھو گئیں،

کہ ان پہ کتنی اوس پڑ گئی، انہیں خبر نہیں

— یہ پتّیاں! اور ان کا یہ سکوت بھی عجیب ہے !!
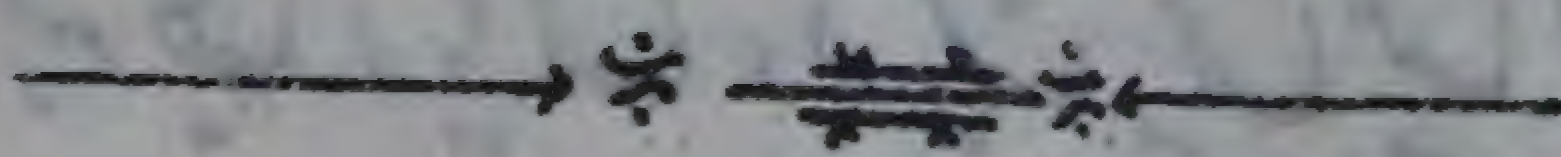
نمُو کا حوصلہ نہیں، کوئی پیام ہی نہیں، کہ قطرہ ہائے شبنم آج ہیں

وہ اشک جو تاروں سے نہ رُک سکے

مگر یہ پتّیوں کی بے حسی عجیب ہے

کہ ان میں کوئی جذبہ، کوئی لہر ہی نہ اُٹھ سکی !!

زمیں کا دل دھڑک رہا ہے آج بھی

یہ بات اور ہے کہ پتیاں ہیں بے خبر — یہ جھاڑیاں نہ سن سکیں

مگر وہ ماہتاب جانتا ہے — یہ طلسم باہمی عجیب ہے!

ارے! — یہ کیا ہوا؟

یہ پتّوں کا رقص! — اور ہر اک شاخ جھومنے لگی!

نہیں! — یہ پتّیاں تو دانت پیستی ہیں، اور کانپتی ہیں ڈالیاں

یہ برہمی عجیب ہے!

زمیں کو طعنے دے رہی ہے خود اسی کی کائنات ؟

زمیں! تیری زندگی عجیب ہے

کہ تو ہر ایک طعنہ سن رہی ہے، اور خموش ہے ـــ کہ جیسے تو ہی

کہرے، تیرگی، دھویں کی ذمہ دار ہے؟

ـــ یہ بے وقوف پتیاں! ـــ اور ان کی ہچکیوں کی یہ شگفتگی
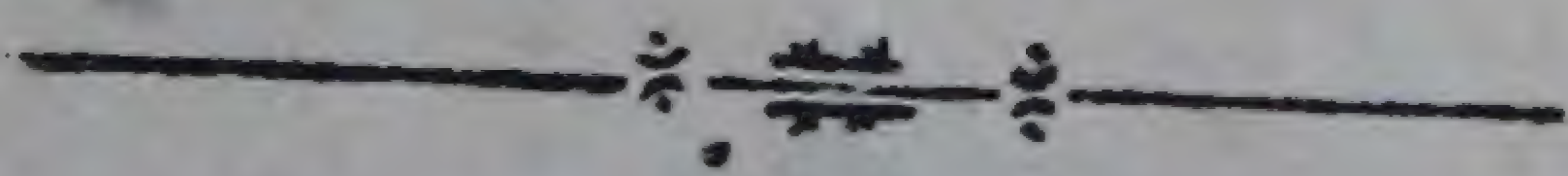
عجیب ہے !!

دھویں کو جذب کر لے! ـــ فطرتِ زمیں کے یہ خلاف ہے

سحر تو ہو، شعاعِ تھرتھرا رہا نہ بن کے آئے تو ذرا

یہ کہرہ آسماں کی سمت بھاگ جائے گا!

—— زمین! تیری زندگی عجیب ہے!!

یہ پتّیاں، اور ان کے طعنے گرد بن ہی جائیں گے،
وہ گرد — جو زمیں کی زندگی کا ایک جزُو ہے!
یہ موت! — زندگی نواز دل لگی عجیب ہے —!!

تسلّی دے لی خود کو ماہتاب نے، اسی لئے تو چاندنی میں اُس تبسّم
خیال کی بھی ہے جھلک!
ابھی ابھی تو چند لمحے پیشتر سسک رہی تھی، اور مسکرا رہی ہے اب،
یہ چاندنی عجیب ہے!

ستارے کہہ رہے ہیں چاندنی کی مسکراہٹوں کو زہرخند — "یہ ہنسی

عجیب ہے!!"

مگر سنو تو ماہتاب کا ہے کیا خیال ؟ —

"نہیں! — یہ راہبر نہیں، — کسی بھی عہد کو یہ راہ کیا دکھائیں گے؟

"زمیں کے دل کی دھڑکنوں سے بے نیاز رہبری عجیب ہے!

"— انھیں تو اپنے ٹوٹنے کی بھی کوئی خبر نہیں!! —"
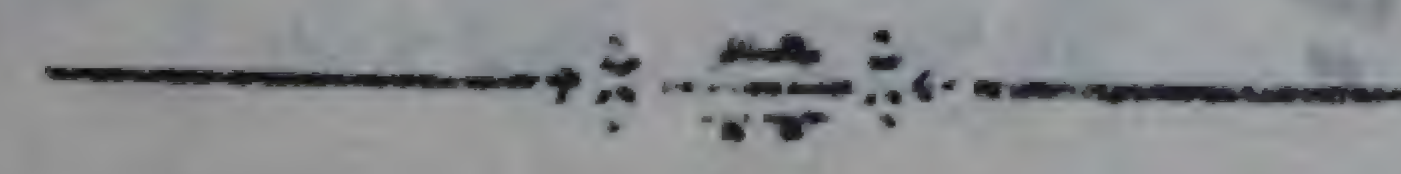
نسیمِ نو بہار تو کہاں، کہ جم گئیں ہوا کی یخ سے ہڈیاں

برہنہ جھاڑیاں، گری ہوئی یہ پتیاں — یہ بوئی عجیب ہے

کہ آج بھی مری نظر میں پھوٹتی ہیں کونپلیں، وہ کھل رہے ہیں پھول،
اور جھاڑیوں پہ رقص کر رہا ہے وہ حسین عہد، وہ سہاگ!

ستارے چشم ہائے کور ہیں کہ جن میں دیکھنے کے نام پر ذرا بھی روشنی نہیں
ہر ایک جاگتی ہوئی نگاہ ان کو دیکھتی ہے، ان کی روشنی عجیب ہے!
—— مگر میں تجھکو دیکھتا ہوں، گو یہاں سے دور —— تو بہت ہی دور ہے،
یہاں تو تیرے سائے تک کا کوئی شائبہ، کوئی گمان ہی نہیں ——!!

وہ کمرہ، جس میں نیند کی کنواری پریاں نذرِ خواب ہائے نونگار و نوشگفتہ
شباب لے کے آئی تھیں کبھی،

تری ہر ایک صبحِ آرزوئے نَو کے واسطے مسرتِ شبینہ کا خیال لائی

تھیں کبھی!

وہ خوابگاہِ ناز!۔۔۔ تو اسی میں بند رو رہی ہے آج رات؛

خموش ہچکیاں!۔۔۔ یہ تیرا عالمِ خیال۔۔۔ بیخودی ہو یا خودی'

عجیب ہے۔۔۔!!

جہان بھر کے طعنے، اور تو اکیلی!۔۔۔ پھر بھی آنسوؤں سے فائدہ؟

یہ طعنے تو خزاں رسیدہ پتیاں ہیں، جن کی پائمال آرزوئیں سرد

تیرگی میں چیختی ہیں، بس انھیں سوائے چیخنے کے اور کام ہی نہیں!!

وہ پتّیاں!۔۔۔ ستاروں کے بھی آنسوؤں پہ کچھ اثر نہ کرسکیں۔۔۔!!

ــــــ تو آنسوؤں سے فائدہ؟ ان آنسوؤں کو پونچھ ڈال

خزاں رسیدہ پتّیوں کے واسطے یہ اذنِ خودکشی عجیب ہے!!

یہ طعنے تیری زندگی کا جزو بن گئے تو کیا ہوا، کہ میں ابھی مرا نہیں"

میں اتنی دور سے بھی سن رہا ہوں تیرے دل کی دھڑکنیں!!

"سُہاگ بھی نہ دیکھ پائی ـــــ اور بیوگی سے بھی خراب زندگی!

"یہ بے رُخی عجیب ہے

"یہ بے کسی، یہ بے بسی، یہ شاہکارِ زندگی ـــــ عذاب ہے"

وبال ہے"

"تمھاری دوستی عجیب ہے !"

سمجھ رہے ہیں میرے وعدوں کو فریب تیرے کرا شک؟

فریب کار، اور میں؟؟ ـــــ نہیں! نہیں!!

میں آگیا ـــــ نظر اُٹھا کے دیکھ تو ـــــ میں آگیا،

میں آگیا!!

دھوپ کی راہ میں کٹی ہوئی، سفر کی گرد میں اٹی ہوئی یہ زندگی

عجیب ہے۔!!!

(نیا دور)

"تحریک"

یہ آئینہ! جی چاہتا ہے اٹھا کر پٹک دوں
کہ اپنا مذاق آپ اُڑانے لگا ہوں!

اسی آئینہ کو کبھی میں نے بخشا تھا ہر نقشِ ہستی

مگر ایک بھی تو ہر آئینہ آنہ پایا

وہاں میرے بکھرتے مرے عکس کا شائبہ تک نہیں تھا!

کبھی سوچ لیتا ہوں میں ـــــ کاش ایسا نہ ہوتا،

جو ایسا نہ ہوتا تو میری نگاہیں فریبِ بہارِ گل و نسترن میں سکوں

پا ہی جاتیں!

مہ و مہر و انجم کے رنگیں مناظر نگاہوں کو میری بھٹکنے نہ دیتے!

ہر آئینہ ایک چہرے کو شکلیں بدلتے ہوئے دیکھنے کے عوض میں

کسی جھیل میں عکسِ قوسِ قزح دیکھ لیتا۔

خیالوں کی پرخار وادی میں کیوں ٹھوکریں کھاتا پھرتا؟

کسی غیر آباد وادی کے جھرنے میں اک عالمِ زندگی مسکراتا ہوا،

گیت گاتا ہوا دیکھتا ہیں!

بدلتے ہوئے منظروں کے بدلتے ہوئے رنگ میری نگاہوں سے سرگوشیاں

کرتے رہتے

جو اک دوسرے کو جگہ دے تو دیتے ہیں لیکن فنا جن کی قسمت نہیں ہے،

وہی رنگ جن کی ضرورت ہے میرے قلم کو، مرے شاہکاروں ———

کو، جو صرف دھندلے سے خاکے ابھی ہیں!!

مگر کیا کروں میں کہ ہر بار جب آئینہ پر نظر ڈالتا ہوں

تغیر کا احساس دھندلاتے سایوں میں اُڑتے ہوئے رنگ

کو گھورتا ہے!

بہاریں اگر اس آئیں ۔۔ تو کیسے ؟ ۔۔۔ کہ اپنی ہی مستی کی
پائندگی کی ضمانت نہیں ہے!
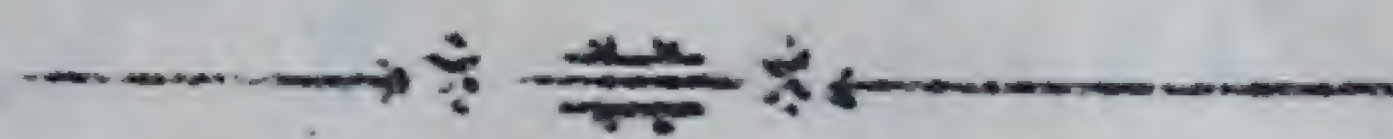
یہ آئینہ جی چاہتا ہے اٹھا کر پٹک دوں
کہ جو نقش اس کو دئے تھے کبھی، اس کے ٹکڑوں میں شاید نظر آ ہی جائیں!
جو میرے ہی ہم شکل گھوریں گے مجکو، تو کیا تاب میں لاسکوں گا یہی
سوچتا ہوں
یہ ہم شکل جیسے کہ! ۔۔۔ وجود ان کا وابستہ ہے خود مجھی سے!!

تلاشِ سکوں تو نہیں شغلِ آئینہ بینی

سکونِ دلِ مضطرب کے لئے قید کرنا پڑے گا نظر کو، تخیّل کو،

بیزاریوں کو !

میں خاکے بناتا رہوں گا، تصاویر میں رنگ بھرتا رہوں گا،

کہ شاید کوئی ان میں شہ کار ہو جائے

کہ خالق تو فانی ہے، تخلیق فانی نہیں ہے !!!

ساقی

"شامِ اودھ"

جُھٹپٹے میں جو پہاڑی سی نظر آتی ہے

ایک ویران کھنڈر، — عظمتِ دیرینہ کا مدفن ہے یہی!

میرے آبا کی ہزیمت کا اک افسانہ کہے جاتا ہے!

یہ کھنڈر اپنی زبوں حالی پہ بھی راضی ہے،

پھر بھی میں اس کی زبوں حالی میں
اپنے اجداد کے اک عزمِ بغاوت کی جھلک دیکھتا ہوں۔!!

میرے آقاؤں کی تہذیب کا دل
تاج کے سایۂ ناپاک میں منحوس عمارت ہی سہی!
نصف شب تک اسی ویرانے میں
جسم آزاد رہا کرتے تھے، جذبات بھی آزاد رہا کرتے تھے،
مۓ و مینا کی گلابی ہو کہ شادابیٔ حُسن،
میرے آقا یہاں ہر عیش سے سیراب ہوا کرتے تھے ـــــ!!

آسماں، ـــــ

اور یہ بادل! ـــــ

یہ پُراسرار نیلاہٹ، ـــــ

یہ سفیدی، ـــــ

یہ شفق کی سُرخی!

اور سرِ راہ یہ املی کے درخت

جن کے سائے میں بہا کرتی ہے خاموش ندی!

اور وہ کھیت ـــ وہ سرسوں کی بہاروں کے بسنتی آنچل،

دور وہ اُودی گھٹاؤں سے نکلتا ہوا چاند،

مقبرہ پر وہ چمکتا ہوا تنہا تارا۔!!

کتنے رنگوں کا طلسمات ہے یہ دامنِ شام؟
اسی دامن پہ ہر اک قوسِ قزح سجدے کیا کرتی ہے۔!!
اسی دامن کی فضا ہے جس میں
اپنے اجداد کے اک عزمِ بغاوت کی جھلک دیکھتا ہوں۔!!!

(پچندن)

بدگمانی

ابرپارے،
تختہ ہائے کوہِ نور،
ڈوبتے سورج کی کرنوں کے لئے آئینے ہیں!

ابر پارے،

آسماں پر نو بہارانِ سلیماں کے خرام!

یا یہ جھولے ہیں کماں

تار ہائے سیم و زر سے جن کو زہرہ نے بُنا

اور حوریں گا رہی ہیں جن پہ نغماتِ ارم!

کہکشاں کی منزلوں کو چھوڑ کر

یہ توجہ،

یہ تبسّم ــــــ سوئے فردوسِ عدن؟

جگمگا اُٹھے گی افسردہ گلوں کی انجمن!

ــــ جیسے پیرہ ہی نہیں، مُہرِ تقدّس ہی نہیں ــــ قوسِ قزح کے

بابِ ہفت اوراق پر —!

اور ایسے میں سرِ بزمِ اُفق

پھر بھی بل کھاتا ہے اُٹھ اُٹھ کر نہ جانے کیوں دھواں!

— دور یہ پرچھائیاں،

کروٹیں لیتی ہوئی پگڈنڈیاں

تھک کے آخر سو گئیں!

سُرمئی لہریں —

فضائے نم کے دل کی دھڑکنیں،

وسعتِ میدان و دشت و آبِ جُو پر چھا گئیں!

—— پھر کسی طوفان کے آثار پیدا ہو چلے

ابر پارے منتشر ہونے لگے۔!!

باغِ جنّت کی بہاروں کی قسم

یہ فضائیں

اور یہ نظارہ ہائے دل نشیں،

اہرمن کی سحر کاری ہی نہ ہوں —— !!!

(ساقی)

"فاصلے"

بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام تھی؟

اب اس جگہ کھڑا ہوں میں جہاں بلند و پست کچھ نہیں

تعیّناتِ شش جہت بھی کچھ نہیں!

دوامِ کائنات کچھ اگر ہے ــــ تو ہے فاصلہ،

وہ گھاؤ، جس کو وقت بھی نہ پوری طرح بھر سکا ــ!!

وہی ہے اب بھی دَورِ صبح و شام!
اگر وہ مرکزِ حیات اب نہیں رہا تو کیا ہوا ــــــ؟

حیات اب بھی اک کشش ہے ــــ اور کچھ نہیں! ــــ
کشش! ــــ جو رنگ و رقص و چنگ کی فضائیں تھی
وہی ہے آج بھی ــــ مگر
وہ رنگ ــــ امتیازِ قوم کا جنون ہے ــــ نہیں تو خون ہے!
وہ شعر ــــ اشتہار ہے!
وہ رقص ــــ اب گداگری کا فنِ کامیاب ہے!
وہ چنگ ــــ اب بگل ہے جنگ کا،

_____ اگر نہیں! ___ تو ریل اور مِلوں کی سیٹیوں کا شور رہی!

___ حیات ایک چیخ، ایک گونج، اک پکار ہے ___!!

مِلوں کی سیٹیوں کا شور؟

یہ ریل گاڑیوں کی گھڑگھڑاہٹیں ___!

ابھی وہی ہیں فاصلے ___!!
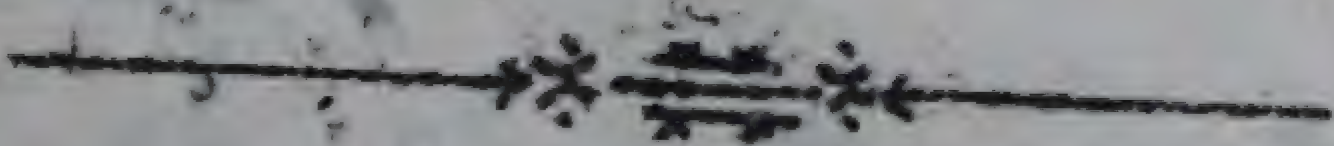
وہ جنگ کا بگل بجا!

تعیناتِ شش جہت نہیں رہے ___!!

بلندیوں کی آرزو بھی کتنی خام ہے ___!!! (نیا دور)

"گونج"

جو صدیوں سے سوئی ہوئی تھی تہِ برف وہ زندگی جاگ اٹھی!

وہ برفانی ساحل پگھلنے لگے،

سطح ہموار ہونے لگی

منجمد سینۂ بحر میں سانس کی جنبشیں بھی ہویدا ہوئیں،

لہریں اٹھنے لگیں!

اگرچہ خلا میں بلندی و پستی کا مفہوم ہی کچھ نہیں ہے

ستاروں نے فرسودہ محور کو چھوڑا!

ابھی تک تو محصور تھیں چاندنی کی دل آویزیاں آسماں تک

مگر چاند نے اپنے ہالے کو توڑا !!

وہ لہریں اٹھیں

چاند کو اپنی آغوش میں بھینچ لینے کی دیوانگی جاگ اٹھی!

جنوں خیز ہنگامہ جزر و مد میں ستاروں کی پرچھائیاں جاگ اٹھیں!

وہ ٹوٹا سکوتِ اُفق

اور دفورِ خمارِ مہ وسال سے چور ہوتے ہوئے

تختۂ نارجیلاں میں شب کی حسینہ کی انگڑائیاں جاگ

اُٹھیں!

وہ حسنِ تخیّل کی خوابیدگی جاگ اُٹھی

اُمیدیں،

—— جو حسنِ تخیّل کی خوابیدگی تھیں

نظاروں کی دوشیزگی بن گئیں

اور نظاروں کی برنائیاں جاگ اٹھیں!

تصوّر کی تابندگی جاگ اُٹھی ـــــ!

نگاہوں کی تنہائیاں جاگ اُٹھیں ـــــ!!

سحر کی فضاؤں کی رعنائیاں جاگ اُٹھیں ـــــ!!!

(ادبِ لطیف)

"بادل"

بادل آتے ہیں، گھٹا چھاتی ہے

آندھی آتی ہے — گذر جاتی ہے سب کو لے کر

اور ہم سوئے زمیں، سوئے فلک، سوئے اُفق دیکھتے رہ جاتے ہیں!

یہ ملاقات و وداع

اور یہ تجدیدِ ملاقات و وداعِ آخر!

ــــ ایک زنجیر، کہ جس کی کڑیاں

ٹوٹ جاتی ہیں نئے سلسلے پیدا کر کے

حلقۂ دام میں کچھ اور جزرابات بھی لے آتی ہیں۔!!

انتظار ــــ!

کتنے پیمانِ وفا ٹوٹے ہیں

ایک پیمانِ وفا کی خاطر ــــ؟

اور وہ افسانے، جو پائندہ انجام نہیں ــــ

کتنے افسانوں کا آغاز بنے ــــــ!؟

عرصۂ حشر بھی ماضی و مستقبل میں،

کتنے بھولے افسانے ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں،

جن کو ٹھکرائے ہوئے عرصہ ہوا

آج صف باندھے مرے سامنے میخانوں سے آپہنچے ہیں ــــــ!!

وہ ستارے ــــــ نہ اُٹھیں خواب میں نظریں جن پر

آج اس طرح اُتر آئے مرے ساغر میں

جیسے اب ان کی ضرورت نہیں رنگین شبستانوں میں ــــــ!!

یہی ٹوٹے ہوئے ساغر، یہ نجوم

جو مرے ماضی و مستقبل ہیں:

میری بے نام تمنّاؤں کو پہچانتے ہیں! ——

میری تخئیل کو آواز بھی دے سکتے ہیں! ——

اک نئے سلسلۂ شوق کو آغاز بھی دے سکتے ہیں!

—— اور یہ لمحہ، جو بنا بیٹھا ہے سرشارِ مئے ناب، حریفِ دوراں

اس کو اک سلسلۂ شوق کے آغاز پہ انجام بھی دے سکتے ہیں!!

بادل آتے ہیں تو اک تیرگی چھا جاتی ہے

اور پھٹتے ہیں تو یہ تیرگی پرچھائیں کے انداز سے خود میرے ہی
سائے سے گزر جاتی ہے

اور میں دیکھتا رہ جاتا ہوں
اپنے ہی سائے کو، پرچھائیں کو، پیمانے کو !!!

(رفتار)

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء

اک دماغ

پرورش پاتی رہی جس میں حیاتِ انقلاب

موت کی تاریکیوں میں سو گیا

آہ خونی انقلاب

لا نہ پایا اپنی کم ظرفی کی تاب۔!
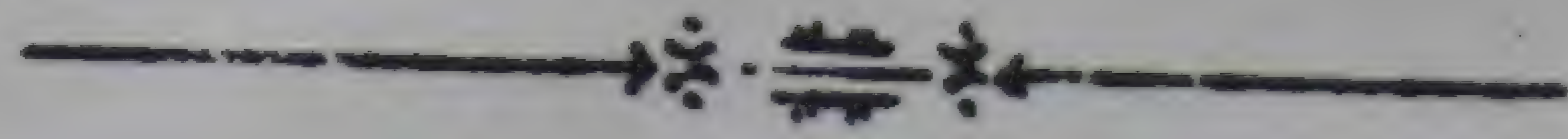
ایک سینہ سینۂ مشرق بھی تھا

رات بھر جس میں نمُو پاتا رہا تھا آفتاب

آج وہ سینہ بھی چھلنی ہو گیا

اور خونی آفتاب

بن گیا ہے سینۂ مشرق کا داغ۔!!
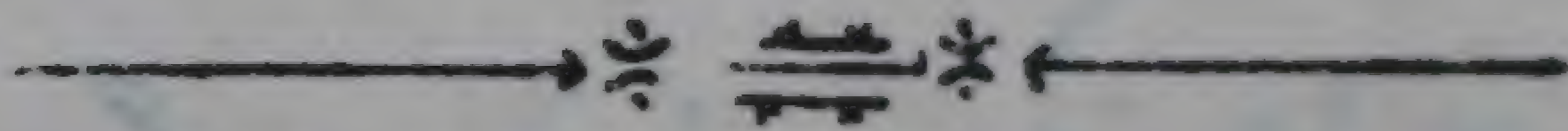
(ہمارا ادب، ہانس)

"تنہائی"

کوئی خواہش، کوئی حسرت ہی نہیں
اک سکوت، ایک جمود
چھا گیا وسعتِ احساس کی حد بندی پر!
قبرِ مفلس تو نہیں، پھر بھی شبستانِ وجود

بے نیازِ شبِ تاریک ہے، بیگانۂ تنویرِ سحر۔!!

اب بھی اُٹھتی تو ہے ہر منظرِ رنگیں پہ نظر

صرف باقی ہے شعور!

جیسے جذبات میں شدّت ہی نہیں

کسی اقدام کی جرأت ہی نہیں!

ہچکیاں آنے لگیں

رو رہا ہے کوئی احساس کی حدبندی سے دور !!!

(کتاب ہمایوں)

"رَدِّ عمل"

ایک آندھی اُٹھی، طوفان آیا ——!

مختلف سمت سے دو جھومتے بادل اُٹھے

جن کے سینوں میں، جوان سینوں میں

سیکڑوں بجلیاں بے چین تھیں —— لیکن خاموش ۔!!

دونوں بادل بڑی شدّت سے ملے

دگرم جوشی تھی مگر سردنگاہی کی دلیل،

اک چمک! ــــ ایک گرج!

اور پھر کچھ بھی نہیں.

بجلیاں مل تو گئیں آپس میں

ملتے ہی اپنی تڑپ کھو بیٹھیں ــــ!!
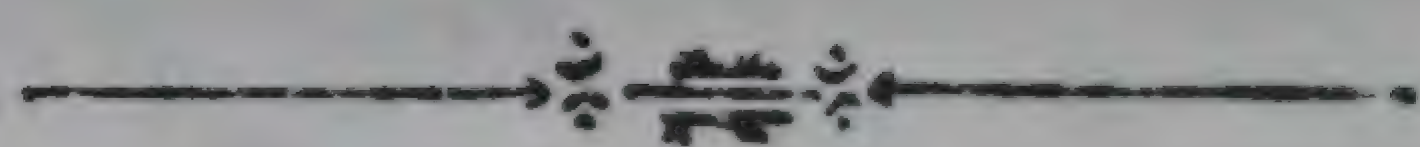
وہی بادل ہیں، مگر

ان کے سینوں کی رگیں ــــ بجلیاں اب مردہ ہیں،

کوئی جذبہ، کوئی احساس نہیں !!!

(ساقی)

"کھنڈر"

افق میں گونجنے لگا

سیاہ اور مہیب بادلوں کا ایک کارواں

فضائیں تھیں دھواں دھواں

گرج رہا تھا آسماں

کڑک رہی تھیں بجلیاں!

میں کانپنے لگا۔

نہ دیکھنے، نہ سوچنے، نہ فیصلے کا وقت تھا

بس ایک عزم اور ایک حوصلے کا وقت تھا

مگر یہ جسمِ ناتواں!

میں ہانپنے لگا۔
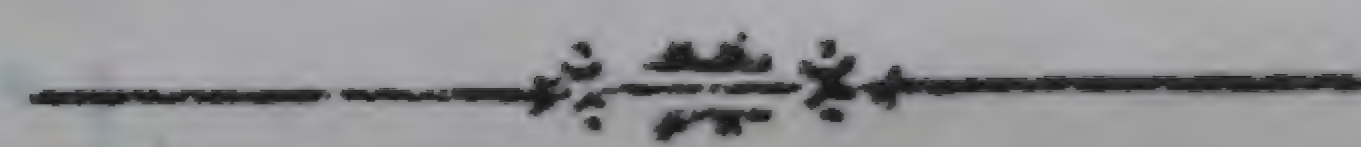
تھکے تھکے ــــ بہت تھکے ہوئے تھے میرے ہات پاؤں

مگر تھی سامنے حسیں تجلّیوں کی چھاؤں

افق سے تھوڑی دور مسکرا رہی تھی زندگی

اور اُسپہ یہ شکستگی ــــــ؟

بس ایک عـــزم اور ایک حوصلہ کا وقت تھا ۔!!

نقابِ صُبح اُٹھ گئی

مہک رہی تھی زندگی کی اک عروسِ نوبہار

دمک رہی تھی دور مشرقی اُفق میں روشنی

لہک رہا تھا سبزہ زار

لچک رہی تھیں آبِ جو کی موج ہائے نغمہ بار

انھیں کے پاس میری اگلی عظمتوں کی یادگار

اک کھنڈر!

اور اس پہ چھوٹی عظمتوں کا اک نشاں

کہ "نیلگوں سمندروں کی چیخ، سُرخ ناگ، ابر کی سفید دھاریاں"

— کسی کی جھوٹی عظمتوں کا یہ نشاں

کھنڈر پہ توڑتا تھا دم — کہ لے رہا تھا ہچکیاں —!!
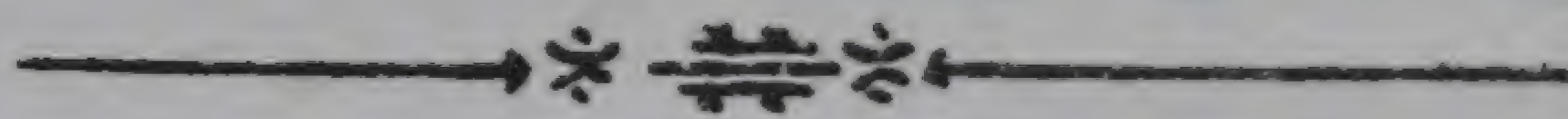
ہوائیں خوشگوار تھیں

مرے لئے!

فضائیں شعلہ بار تھیں،

مرے لئے،

وطن کی اگلی عظمتوں کی یادگار کے لئے —!!

سنہرہ آفتاب لمحہ بھر میں سرخ ہو گیا

مہیب وقت ٹل گیا

ہوا کا اک تھپیڑا ـــــ اور اس میں ایک شعلہ! ـــــ جھوٹی

عظمتوں کا یہ نشان خود ہی جل گیا!!

سرود ہائے نو بہار و رقص ہائے دل نواز

ـــــ وہ "گومتی" کا جلترنگ،

لئے نظارہ ہائے نو نے بھی رباب و چنگ

فضائیں چھیڑنے لگیں حیات نو کا نرم ساز

مگر ——!

ابھی اک اور فکر تھی،

ابھی اک اور مسئلہ،

ابھی اک اور مرحلہ ——

ہماری عظمتوں کے دو نئے نشاں !

"خزاں، سفید ابر —— اور بہار!"

"یہ سبز جھیل —— اور عکسِ ماہِ نو میں قسمتوں کا اک حسین دیوتا"

ہیں اہم کس قدر ہماری عظمتوں کے یہ نئے نشاں

سفید، زرد، سبز، سُرخ اور نیلے رنگ ——!!؟

"تموّج"

مری کھڑکی کے شیشہ پر

ابھی تک آخری شبنم کا قطرہ تھرتھراتا ہے

اسی شبنم کا قطرہ ــــــ جس نے کلیوں کو نمو بخشی

فضائے انجم و مہتاب کی جس میں صباحت ہے

وہی شبنم کا قطرہ تھرتھراتا ہے مری کھڑکی کے شیشہ پر
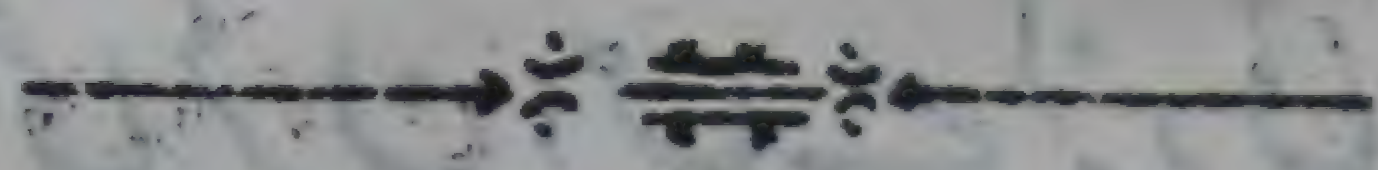
تارے ڈوبتے ہی چاندنی بھی ہو گئی مدھم
مگر وہ ایک تارہ اپنی تنہائی سے بے پروا شمالی وادیوں پر
ٹمٹماتا ہے!
وجودِ رہبرِ اعظم بھی اشکِ کسمپرسی ہے
نظامِ شب نے جس کو سمِ قاتل جان کر بھی پی لیا اور خودکشی کر لی
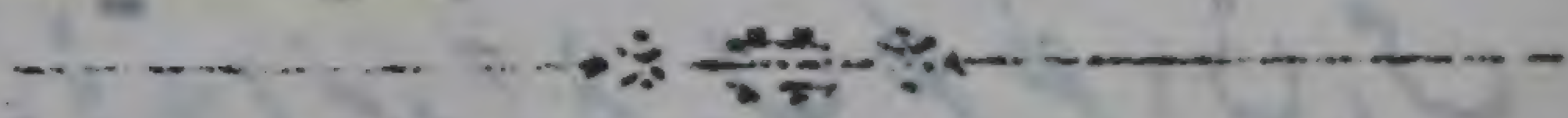
شبِ مہتاب کی آنکھوں کا اشکِ آخری شاید وہی تنہا ستارہ ہو.
مری کھڑکی کے شیشہ پر جو شبنم بن کے اب بھی تھرتھراتا ہے!

حقیقت کیا ہے یوں تو ایک آنسو کی
مگر سورج کی جب ننھی کرن اس سے گزرتی ہے
تو رنگوں میں سنورتی ہے،
دھنک بن کر نکھرتی ہے!
حقیقت کیا ہے یوں تو سرد اور بے جان آنسو کی
کہ یہ قوسِ قزح کے رنگ سورج کی کرن کے کچھ عناصر ہیں!
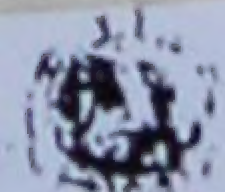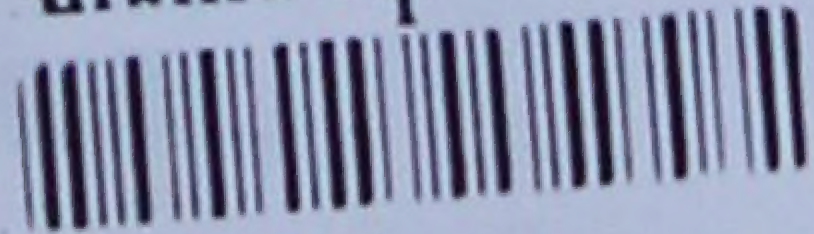
وہ مشرق کے افق پر سرخ لہریں تھرتھراتی ہیں
انھیں میں خونِ ماہ و زہرہ و پرویں بھی شامل ہے——!!